مولانا محمد جمیل اختر ندوی*

معاہدۂ حدیبیہ اور اس کے سبق آموز پہلو

مدینے آئے ہوئے چھ سال کا عرصہ بیت چکا تھا۔ کعبہ سے دوری اور مجبوری پر چھ دور گزر چکے تھے۔ وطن عزیز کو چھوڑے ہوئے ایک لمبی مدت ہو چکی تھی۔ شوق گھڑیاں گن رہا تھا۔ امنگیں لمحے شمار کر رہی تھیں۔ چاہت بڑھتی جا رہی تھی۔ خواہش دوچند ہو رہی تھی۔ جذبات کی تلاطم خیزی قنوط کی بند پر ضربیں اور احساس کی شدت صبر کے حصار پر ٹھوکریں لگا رہی تھیں کہ ایک رات شہ لولاک نے خواب دیکھا کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ حلق کرائے ہوئے امن وسکون کے ساتھ مکہ داخل ہو رہے ہیں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی، باب نزول سورۃ الفتح.....: ١٦٤/٤ (حدیث نمبر: ١٥١٢)، السیرۃ الحلبیۃ، غزوۃ الحدیبیۃ: ٦٨٨/٢)

زبانِ نبوت سے خوابِ رحمانی کا تذکرہ سن کر صحابہ ﷺ خوش ہو گئے۔ مہاجرین اس لیے کہ اُس شہرستان کا دیدار نصیب ہوگا، جو اُن کی جائے پیدائش رہی ہے، جہاں کے کوچے اور گلیاں آج تک اُن کی نگاہوں کے سامنے ہیں، جہاں کے پہاڑ اور وادی آج تک ذہنوں پر چھائے ہوئے ہیں، جہاں کے پھولوں کی خوشبو سے ابھی تک دماغ میں تازگی ہے اور جہاں کا ادنیٰ تذکرہ بھی دلوں کے لیے باعثِ سرور ہے اور انصار اس لیے کہ نگاہوں کو اُس دیار کی رؤیت کی سعادت حاصل ہوگی، جو اُن کے نبی کا وطن رہا ہے، جہاں وہ کعبہ ہے، جسے روئے زمین پر پہلا گھر ہونے کا شرف حاصل ہے اور جس کی طرف رخ کر کے آج تک نمازِ پنجگانہ کی ادائے گی کرتے رہے ہیں۔

سن چھ ہجری کی پہلی تاریخ کو حضور اکرم انے اپنے چودہ سو قدسی صفات اصحاب ﷺ کے ساتھ عمرہ کی غرض سے مکہ کے لیے رختِ سفر باندھا۔ مقامِ ذوالحلیفہ میں ساتھ میں لائے ہوئے ہدی کے جانوروں کو قلادہ پہنا کر اُن کا اِشعار (کوہان کو زخمی کر کے خون نکالنا؛ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ حرم لے جائے رہے ہیں) کیا اور لبادۂ احرام پہنا۔ بسر بن سفیان کو قریش کے حالات سے آگاہی کے لیے پہلے روانہ فرمایا۔ کاروانِ نبوت جب مقامِ عسفان میں پہنچا تو اُنھوں نے یہ اطلاع بہم پہنچائی کہ قریش نے آپ کی آمد سن کر ایک لشکرِ جرار تیار کر رکھا ہے اور دخولِ مکہ سے آپ کو باز رکھنے کے لیے آپس میں عہد و پیمان باندھ لیا ہے۔ یہ خبر بھی گوش گزار کی کہ خالد بن الولید (جو ابھی تک اسلام

* جامعہ ضیاء العلوم، کندلور، کرناٹکا (انڈیا)۔ jamiljh04@gmail.com

کی سعادت سے محروم تھے) ہراول دستے کے طور پر دوسو شہ سواروں کے ہمراہ ''غمیم'' تک پہنچ چکے ہیں۔ اِس خبر کے سنتے ہی آپ نے اپنا راستہ بدل لیا کہ مقصود لڑائی نہیں؛ بل کہ سعادتِ عمرہ سے سرفراز ہونا تھا۔ (جوامع السیرۃ لإبن حزم، غزوۃ الحدیبیۃ: ۲۰۷/۱)

حدیبیہ کی سرزمین کے لیے یہ بخت بیداری کی گھڑی تھی اور قیامت تک تاریخ کے اوراق میں نسبتِ رسول کے ساتھ اُسے محفوظ رہنا تھا؛ اس لیے آپ اکی سواری کے بڑھتے قدم وادی ہی میں رُک گئے۔ لوگوں نے ''**خلأت القصویٰ، خلأت القصویٰ**'' (اونٹنی بیٹھ گئی، اونٹنی بیٹھ گئی) کی آواز لگانی شروع کی، آپ نے فرمایا: **ما خلأت القصویٰ، وماذاک لها بخلق، ولکن حبسها حابس الفیل** ''اونٹنی نہیں بیٹھی اور نا ہی اِس کی یہ عادت ہے؛ بل کہ اِسے اُس ذات نے روک لیا ہے، جس نے ہاتھی کو روکا تھا''۔ پھر آپ نے فرمایا: **والذی نفسی بیده! لایسألونّی خطّة یعظمون فیها حرمات الله إلا أعطیتهم إیاها** ''اُس ذات کی قسم، جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر وہ لوگ میرے سامنے کوئی ایسی تجویز رکھیں گے، جس میں اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی تعظیم ہوتی ہو تو میں اُسے قبول کروں گا''۔ پھر اُونٹنی کو کو چادیا تو وہ چل پڑی۔ اب آپ مقامِ حدیبیہ کے ایک سرے پر خیمہ زن ہوئے، جہاں کم مقدار پانی والے کنوئیں میں آپ اکے ایک تیر ڈالنے کی وجہ سے پانی کے جوش مارنے کا معجزہ ظاہر ہوا۔ (بخاری، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب وکتابة الشروط، حدیث نمبر: ۲۷۳۱)

یہاں سے آپ انے خراش بن امیہ خزاعی ﷺ کو نامہ بر بنا کر قریش کے پاس اِس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ ''ہم فقط بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں، جنگ کے لیے نہیں''؛ لیکن قریش نے ان کے اونٹ کو ذبح کر ڈالا اور اُن کے قتل کے بھی درپے ہو گئے۔ حضرت خراش اپنی جان بچا کر واپس آئے اور سارا ماجرا آپ کے روبرو سنایا (الروض الأنف، غزوة الحدیبیة: ٤٥/٤)۔ آپ نے حضرت عمر ﷺ کو پیغام بر بنا کر بھیجنا چاہا؛ لیکن اُنھوں نے یہ کہتے ہوئے معذرت چاہی کہ ''قریش مجھ سے بہت زیادہ برہم اور میرے سخت دشمن ہیں۔ مزید یہ کہ میرے قبیلہ کا کوئی شخص نہیں، جو مجھے بچا سکے؛ اس لیے حضرت عثمان ﷺ کو بھیجنا زیادہ مناسب ہے کہ وہاں اُن کے اعزہ موجود ہیں (جو ناگفتہ بہ حالت میں اُن کی حفاظت کریں گے)۔ آپ نے حضرت عمر ﷺ کی یہ رائے معقول سمجھی اور حضرت عثمان ﷺ کو ابوسفیان (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) اور رؤسائے مکہ کے پاس اپنا قاصد بنا کر بھیجا، جب کہ وہاں پر موجود مسلمانوں کو یہ بشارت بھی بھجوائی کہ عنقریب اللہ تعالیٰ فتح نصیب کرے گا اور اپنے دین کو غالب فرمائے گا۔

حضرت عثمان اپنے ایک عزیز ابان بن سعید کی پناہ میں مکہ آئے اور قریش مکہ کو آپ کا پیغام اور وہاں موجود مسلمانوں کو خوش خبری سنائی۔ حضرت عثمان کی زبانی آپ کا پیغام سن کر اہالیانِ مکہ نے جواب دیا کہ ''اس سال تو محمد مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے، ہاں اگر تم تنہا طوافِ زیارت کی سعادت حاصل کرنا چاہو تو کر سکتے ہو''۔ حضرت عثمان نے جواب دیا کہ ''میں تنہا کبھی اِس سعادت کو حاصل نہ کروں گا''۔ قریش یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے؛ لیکن حضرت عثمان کو وہیں روک لیا۔ اِدھر مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمان قتل کر دیے گئے۔ جب قتل کی یہ خبر آپ کے

کانوں تک پہنچی تو آپ کی طبیعت میں تکدر پیدا ہوا اور آپ نے فرمایا: جب تک میں عثمان کا بدلہ نہ لے لوں، یہاں سے حرکت نہیں کروں گا۔ پھر وہیں ایک ببول کے درخت کے نیچے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے پر تمام صحابہ سے بیعت لی، جو تاریخ وسیر کی کتابوں میں ''بیعۃ الرضوان'' کے نام سے مشہور ہے؛ لیکن بعد میں اس خبر کے غلط ہونے کی بات معلوم ہوئی (السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، غزوۃ الحدیبیۃ: ۲/ ۳۱۵)۔ قریش کو اس بیعت کا حال معلوم ہوا تو وہ خوف زدہ ہوئے اور نامہ وپیام کا سلسلہ شروع کیا۔

مقامِ حدیبیہ میں قیام پذیری کے دوران مسلمانوں کے پرانے حلیف بنوخزاعہ (جو پہلے بھی آپ تک قریش کی خبریں پہنچایا کرتے تھے) کے سردار بُدیل بن ورقاء آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: قریش کی ایک بھاری جمعیت مستعد کھڑی ہے، وہ آپ کو کعبہ میں جانے نہ دیں گے۔ آپ نے اُن سے فرمایا: اُنھیں جا کر کہہ دو کہ ہم صرف عمرہ کی غرض سے آئے ہیں، لڑائی ہمارے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں۔ جنگ نے قریش کی حالت زار زار کر دی ہے؛ اس لیے بہتر ہے کہ ہم سے ایک مدت تک کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ کر لیں اور مجھے عربوں کے ہاتھوں چھوڑ دیں۔ اگر وہ اِس پر راضی نہیں تو خدا کی قسم! میں اُس وقت تک لڑتا رہوں گا، جب تک میرا سر تن سے جدا نہ کر دیا جائے۔ (السنن الکبریٰ للبیھقی، باب المھادنۃ.....، حدیث نمبر: ۱۹۲۸۰)

بدیل نے قریش کے پاس آ کر کہا کہ میں محمد کے پاس سے کچھ پیغام لے کر آیا ہوں، اشرار نے سننے سے انکار کیا؛ لیکن سنجیدہ قسم کے افراد نے پیغام سنانے کی اجازت دی۔ اُنھوں نے آپ کا پیغام سنایا۔ عروہ بن مسعود ثقفی نے اہلِ مجلس سے کہا: کیوں قریش! کیا میں تمہارے لیے باپ کے مقام اور تم میرے لیے بیٹوں کے درجہ میں نہیں؟ سبھوں نے کہا: ہاں! ایسا ہی ہے۔ پھر اُس نے کہا: میری نسبت تمہیں کوئی بدگمانی تو نہیں؟ جواب ملا: نہیں! اس نے کہا: پھر تو مجھے خود محمد کے پاس جا کر معاملہ طے کرنے کی اجازت دو، اس نے معقول تجویز رکھی ہے۔

عروہ بن مسعود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اُن سے بھی وہی باتیں کہیں، جو بدیل سے کہہ چکے تھے۔ اُس وقت عروہ نے آپ کو مخاطب کر کے کہا: **أی محمد! أرأیت إن استأصلت أمر قومک، ھل سمعت بأحد من العرب اجتاح أصلہ قبلک؟ وإن تکن الأخریٰ، فإنی واللہ لأری وجوھاً، وإنی لأری أشواباً من الناس خلیقاً أن یفروا، ویدعوک** ''اے محمد! اگر تم نے اپنی قوم کا استیصال کر دیا تو کیا اس کی بھی کوئی مثال ہے کہ کسی نے اپنی ہی قوم کا خاتمہ کر دیا ہو؟ لیکن اگر لڑائی کا رخ بدلا (اور اہلِ مکہ تم پر غالب آ گئے) تو میں تمہارے ساتھ ایسے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں، جو تمہیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں گے''۔ عروہ کی اِس بدگمانی پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سخت درشت لہجہ اختیار کرتے ہوئے فرمایا: کیا ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سخت کلامی کو سن کر عروہ نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا: ابوبکر ہیں! عروہ نے کہا: اگر مجھ پر تمہارا (زمانۂ جاہلیت میں دیا ہوا وہ) احسان نہ ہوتا، جس کی میں نے ابھی مکافات نہیں کی ہے تو میں تمہیں اِس سخت کلامی کا جواب ضرور دیتا۔

اب عروہ حضور ﷺ سے محو گفتگو ہوئے اور عربوں کی عادت کے مطابق اثنائے کلام آپ کی داڑھی مبارک پر بھی ہاتھ پھیرتے جاتے۔ عروہ کی اِس حرکت کو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جسارت تصور کیا اور اُن کے ہاتھ پر ٹھوکا دیا اور کہا: **أخر یدک من لحیة رسول الله** ﷺ ''حضور ﷺ کی داڑھی مبارک سے اپنے ہاتھ دور رکھو''۔ عروہ نے زرہ پوش حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی طرف نگاہ اُٹھائی اور پوچھا: یہ کون؟ جواب ملا: مغیرہ بن شعبہ! یہ سن کر عروہ نے کہا: ارے او غدار! کیا میں نے تمہاری اُس غداری کا بدلہ نہیں دیا تھا (جو تم نے زمانۂ جاہلیت میں ایک قوم کے ساتھ کیا تھا؟)۔ پھر دُزدِیدہ نگاہوں سے صدق وصفا کے پیکر عشاقِ رسول کو دیکھنے لگے اور جاں نثارانِ رسول کی اِک اِک ادا کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لینے کے بعد قریش کے پاس لوٹے اور یہاں کا آنکھوں دیکھا حال اس طرح بیان کرنے لگے: ''اے اہل مجلس! بخدا میں نے بادشاہوں کے محلات اور قصور کے سیر کیے ہیں، میں نے کسریٰ اور قیصر کا دربار بھی دیکھا ہے؛ لیکن میں نے کسی بھی ایسے بادشاہ کو نہیں دیکھا، جس کے لوگ اُس کی اِس قدر تعظیم کرتے ہیں، جس قدر تعظیم محمد کے ساتھی محمد کی کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! محمد کی ناک کی ریزش بھی زمین پر گرنے نہیں پاتی کہ اُس کے ساتھی اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے چہروں اور اپنے جسموں پر مل لیتے ہیں۔ وہ جب کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو اُس کے ساتھی اُس کام کو انجام دینے کے لیے لپک پڑتے ہیں۔ جب وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کے پانی کو لینے کے لیے منافست پر اتر آتے ہیں۔ جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو تمام لوگ مہر بہ لب ہو جاتے ہیں اور کوئی بھی شخص عظمت وجلال کی وجہ سے اُسے نگاہ بھر کر بھی نہیں دیکھتا۔ یقیناً محمد کی طرف سے ایک مناسب تجویز آئی ہے، اُسے قبول کر لینا چاہیے''۔

عروہ کی باتیں سن کر بنو کنانہ کے ایک فرد نے آپ کے پاس آنے کی اجازت چاہی، قریش نے اُسے بھی جانے کی اجازت دے دی۔ جب وہ کاروانِ نبوت کے قریب پہنچا تو آپ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''دیکھو! فلاں آرہا ہے، اِس کا تعلق ایسی قوم سے، جو ہدی کے جانوروں کو تعظیم کی نگاہ سے دیکھتی ہے، لہٰذا تم لوگ ہدی کے جانوروں کے ساتھ اِس کا استقبال کرو''۔ صحابہ نے جانوروں کے ساتھ تلبیہ پڑھتے ہوئے خوش آمدید کہا۔ جب اُس نے یہ کیفیت دیکھی تو بے ساختہ پکارا: **سبحان الله! ماینبغی لهؤلاء أن یصدوا عن البیت** ''سبحان اللہ! ایسے لوگوں کو تو بیت اللہ سے نہیں روکا جانا چاہیے''۔ پھر وہ قریش کے پاس لوٹ کر آیا اور اُس نے اپنی یہی رائے پیش کی۔

اب مکرز بن حفص نے آنے کی اجازت لی۔ جب وہ آپ کے قریب پہنچا تو آپ نے فرمایا: ''مکرز بن حفص آرہا ہے، یہ بُرا آدمی ہے''۔ پھر اُس کے ساتھ بات چیت میں مصروف ہو گئے۔ اِسی دوران قریش کی طرف سے وثیقۂ عہد تیار کرنے کے لیے آپ کے پاس سہیل بن عمرو آیا۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو املاء کے لیے بلایا اور کہا: لکھو: ﴿**بسم الله الرحمٰن الرحیم**﴾۔ سہیل نے کہا: ''ہم رحمان کو نہیں جانتے؛ اِس لیے وہ لکھو، جو ہم لکھتے چلے آرہے ہیں، یعنی: **باسمک اللهم**''۔ آپ نے باسمک اللھم لکھوایا، پھر کہا: لکھو: **هذا ما قاضی علیه محمد رسول الله** ''یہ وہ ہے، جس پر اللہ کے رسول محمد نے مصالحت کی ہے''۔ سہیل نے کہا: ''خدا کی قسم! اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول تسلیم ہی کر لیتے تو بیت اللہ سے ہرگز نہ روکتے اور نا ہی آپ سے جنگ کرتے؛ اِس لیے محمد بن عبداللہ لکھئے''۔ آپ

نے اُس کی یہ بات سن کر فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں، اگرچہ کہ تم لوگ مجھے جھٹلاؤ''۔ پھر حضرت علی سے محمد بن عبداللہ ہی لکھنے کے لیے کہا۔

اب تحریری شکل کو آگے بڑھاتے ہوئے آپ نے املا کرایا: ''یہ مصالحت اِس بات پر ہے کہ تم لوگ بیت اللہ کے طواف سے ہمیں نہیں روکو گے''۔ سہیل نے کہا: اس کی وجہ سے کہیں عرب یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ ہم نے دب کر صلح کی ہے؛ اِس لیے یہ آئندہ سال پر اٹھا رکھیں''۔ آپ نے اُس کی یہ بات بھی مان لی۔ اب سہیل نے اپنی طرف سے ایک شق لکھائی کہ ''ہمارا کوئی بھی مرد مسلمان ہو کر آپ کے پاس آ جائے تو آپ اُسے ہمارے پاس لوٹا دیں گے؛ لیکن اگر آپ کا کوئی ساتھی آپ کا دین چھوڑ کر آئے تو ہم اُسے نہیں لوٹائیں گے''۔ صحابہ نے کہا: سبحان اللہ! دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد کسی کو کیسے لوٹایا جائے گا؟

معاہدہ کی اِس شق پر بحث وتمحیص چل ہی رہی تھی کہ ابوجندل بن سہیل بن عمرو قفس تعذیب سے فرار ہو کر بیڑیوں میں گھسٹتے ہوئے یہاں پہنچے۔ سہیل نے اُنھیں دیکھتے ہی کہا: ''معاہدہ کا نفاذ یہیں سے ہوگا''۔ آپ نے فرمایا: ''ابھی تو معاہدہ کی تکمیل بھی نہیں ہوئی''۔ سہیل نے جواب دیا: ''پھر تو کسی چیز پر مصالحت نہیں ہو سکتی''۔ آپ نے فرمایا: ''اچھا میری خاطر اِسے چھوڑ دو''۔ اس نے کہا: ''میں اِس پر بھی تیار نہیں''۔ (بخاری، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب و كتابة الشروط، حدیث نمبر: ۲۷۳۲) آپ نے اُس وقت حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: **یاأباجندل! إصبر واحتسب، فإن الله عز وجل جاعل لک ولمن معک من المستضعفین فرجاً ومخرجاً، إناقد عقدنابيننا وبين القوم صلحاً، فأعطيناهم على ذلک، وأعطونا عليه عهداً، وإنالن نغدربهم**. (السنن الصغریٰ للبیهقی، باب المهادنة علی النظر للمسلمین، حدیث نمبر: ۳۷۷۲ (۸/ ۱۶۳)، مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۸۹۱۰ (۳۱/ ۲۱۹)) ''اے ابوجندل! صبر کرو اور امید رکھو، اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے ساتھ دوسرے کمزوروں کے لیے ضرور کوئی سبیل نکالے گا۔ ہم نے قریش سے عقد صلح کر لیا ہے اور اس پر زبان دیدی ہے اور ان لوگوں نے بھی ہم سے عہد کیا ہے اور ہم ان غداری کے مرتکب نہیں ہو سکتے'' اور اُنھیں واپس مکہ بھیج دیا۔

اِس معاہدہ کی وہ تمام شقیں، جن پر قریش راضی تھے، اِس طرح ہیں:

۱) دس سال تک حرب وضرب موقوف رہے گی۔

۲) قریش کا جو مرد مسلمان ہو کر اپنے اولیاء اور موالی کی اجازت کے بغیر مدینے آ جائے، اُسے واپس کر دیا جائے گا۔

۳) مسلمانوں میں سے جو مرد (راہِ ارتداد اختیار کر کے) مکہ آ جائے، اُسے واپس نہ کیا جائے گا۔

۴) مدتِ معاہدہ میں کوئی دوسرے پر تلوار نہیں اُٹھائے گا اور نا ہی کسی سے خیانت کرے گا۔

۵) محمد اِس سال واپس چلے جائیں اور آئندہ سال مکہ میں صرف تین دن رہ کر عمرہ کر کے واپس ہو جائیں، سوائے تلواروں کے اور کوئی ہتھیار ساتھ نہ ہو اور وہ بھی نیام میں رہیں۔

۶) قبائل متحدہ جس کے حلیف بننا چاہیں، بن سکتے ہیں۔(زادالمعاد، فصل فی قصة صلح الحديبية: ۲۹۹/۳، القول المبين فی سيرة سيدالمرسلين لمحمدالطيب النجار، صلح الحديبية: ۳۱٦/۱)

اِس معاہدہ میں آپ نے قریش کی وہ تمام شرطیں منظور کر لیں، جو بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں، جس کی وجہ سے صحابہ ایک قسم کی اندرونی گھٹن میں مبتلا ہو گئے؛ حتیٰ کہ حضرت عمر نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اِس طرح سوال کرنا شروع کر دیا: کیا آپ اللہ کے برحق نبی نہیں ہیں؟ کیا ہم حق پر اور دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے ہر سوال کے جواب میں ''کیوں نہیں'' (یعنی ہاں! ہم حق پر ہیں اور میں اللہ کا برحق نبی ہوں) فرمایا۔ تب حضرت عمر نے کہا: **فلم نعطی الدنیئة فی ديننا إذن؟** ''پھر ہم دین میں کمی کیوں برداشت کریں؟''۔ آپ نے جواب دیا: **إنی رسول الله، ولست أعصيه، وهو ناصری** ''میں اللہ کا رسول ہوں، اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا اور وہ میرا حامی و ناصر ہے''۔ حضرت عمر نے پھر سوال کیا: کیا آپ نے ہمیں نہیں بتایا تھا کہ ہم بیت اللہ جا کر اُس کا طواف کریں گے؟ آپ نے جواب دیا: تو کیا میں نے تمہیں یہ بات بھی بتائی تھی کہ اِسی سال کریں گے؟ تم ضرور جاؤ گے اور بیت اللہ کا طواف کرو گے۔

جب معاہدہ کی تکمیل ہو گئی تو آپ نے صحابہ ﷺ سے فرمایا: **قوموا، وانحروا، ثم احلقوا** ''اُٹھو، اپنے جانوروں کا نحر کرو اور پھر اپنے سروں کا حلق کراؤ''۔ گھٹن کی کیفیت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کسی صحابی نے بھی جنبش نہ کی؛ حتیٰ کہ آپ نے تین مرتبہ یہی بات فرمائی۔ جب کسی نے حرکت نہیں کی تو آپ حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس آئے اور لوگوں کے اِس ردعمل کا تذکرہ کیا۔ حضرت ام سلمہ (رضی الہہ عنہا) نے فرمایا: **يا نبی الله! أتحب ذاک؟ أخرج، ثم لا تكلم أحداً منهم كلمةً؛ حتیٰ تنحر بدنک، وتدعو حالقک فيحلقک.** اے اللہ کے نبی! کیا آپ یہی چاہتے ہیں؟ (اگر آپ یہ چاہتے ہیں) تو نکلیے اور کسی سے ایک لفظ مت کہیے۔ بس سیدھے جا کر اپنے ہدی کے جانور ذبح کر دیجیے اور نائی کو بلوا کر حلق کروائیے''۔ آپ نے حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) کے مشورے پر عمل کیا۔ جب صحابہ نے آپ کو ایسا کرتے دیکھا تو اُن لوگوں نے بھی اپنے جانور ذبح کر دیے اور (مارے گھٹن کے) ایک دوسرے کا اِس طرح حلق کرنے لگے، جیسے گردن ہی کاٹ ڈالیں گے۔(بخاری، باب الشروط فی الجهاد والمصالحةمع اهل الحرب وكتابة الشروط، حدیث نمبر: ۲۷۳۲)

حدیبیہ میں تقریباً دو ہفتے قیام کرنے کے بعد آپ نے اپنے رفقا کے ساتھ واپسی کے لیے کجاوہ کسا۔ جب مکہ مکرمہ اور مدینہ کے درمیان پہنچے تو سورۂ فتح نازل ہوئی۔ آپ نے صحابہ کو جمع فرما کر ﴿**إنا فتحنا لک فتحاً مبيناً**﴾ سنائی۔ صحابہ انگشت بدانداں رہ گئے اور دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ فتح ہے؟ آپ نے جواب دیا: قسم ہے اُس ذات کی، جس کے قبضے میں میری جان ہے! بے شک یہ عظیم الشان فتح ہے۔(مسند احمد، حديث مجمع بن جاريةؓ، حدیث نمبر: ۱۵٤۷۰(۲۱۲/۲٤))

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچ گئے تو ابو بصیر کفار قریش کی قید سے بھاگ کر مدینہ پہنچے۔ قریش نے فوراً اِن کی واپسی کے لیے دو لوگوں کو مدینہ روانہ کیا۔ آپ نے ایفائے عہد کرتے ہوئے ابو بصیر کو اُن کے ساتھ مکہ کے لیے روانہ کر دیا۔

ابوبصیر اُن کے ساتھ روانہ تو گئے؛ لیکن راستہ میں اُن میں سے ایک کو قتل کر دیا، جب دوسرے نے یہ حال دیکھا تو بھاگ کھڑا ہوا اور سیدھا مدینہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: میرا ساتھی تو مارا گیا اور اب میں بھی مارا جانے والا ہوں۔ اُسی کے پیچھے ابوبصیر بھی مدینہ پہنچے اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ کے عہد کو پورا کر دیا۔ آپ نے تو مجھے اُن کے حوالے کر دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن سے نجات کی میرے لیے ایک سبیل مہیا فرما دی ہے۔ میں نے یہ جو کچھ کیا، محض اس لیے کیا کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: **ویل أمه! مسعر حرب. لو کان له أحد!** ''ناس ہو! جنگ بھڑکانے والا ہے۔ کاش! کوئی اِس کے ساتھ ہوتا''۔ حضرت ابوبصیر سمجھ گئے کہ آپ کو میرا یہاں ٹھہرنا پسند نہیں؛ چنانچہ اُنھوں نے ساحل سمندر کو ٹھکانہ بنایا۔ (بخاری، باب الشروط فی الجهاد..... حدیث نمبر: ۲۷۳۲)۔ اب جو بھی مکہ سے فرار ہو کر آتا، سیدھے ساحل پر پہنچتا، اِس طرح ستر (۷۰) یا تین سو (۳۰۰) لوگوں کی ایک بڑی تعداد اکٹھی ہو گئی۔ یہ ساحل مکہ سے شام جانے والے تاجرینِ قریش کی راہ میں پڑتا تھا؛ چنانچہ اِن لوگوں نے اُن کے مال واسباب کو اپنی غذائی قلت دور کرنے کا ذریعہ بنایا۔ جب قریش اِن سے تنگ آ گئے تو آپ کو اِن لوگوں کو اپنے پاس بلا لینے اجازت دیدی اور اِس طرح معاہدہ کی ایک شق کو اُن لوگوں نے خود ہی کالعدم قرار دے دیا، جب کہ پورا معاہدہ اُس وقت اختتام پذیر ہوا، جب قریش کے حلیف بنو بکر نے قریش کے ساتھ مل کر بنو خزاعہ پر چشمۂ ''وتیر'' میں شب خوں مارا اور اُن کے بہت سارے افراد کو موت کی نیند سُلا دیا۔ چنانچہ عمرو بن سالم خزاعی نے بنو خزاعہ کا ایک وفد لے کر دربارِ نبوت میں حاضر باش دُہائی دی، جس کو سن کر آپ نے فرمایا: **نُصِرْتَ یاعمرو بن سالم**. (السنن الکبری للبیهقی، حدیث نمبر: ۱۹۳۳۱) ''اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد کی جائے گی''۔ پھر آپ نے بنو خزاعہ کی مدد کی، جس کے نتیجہ میں مکہ فتح ہوا۔

یہ تھی رودادِ معاہدہ۔ اب آیئے اِس معاہدہ سے حاصل ہونے والے دروس واسباق پر نظر ڈالتے چلیں:

معاہدہ کا لحاظ

آپ نے کفارِ قریش سے کیے ہوئے اِس معاہدہ کا پورا پورا لحاظ فرمایا اور معاہدہ کے مطابق ہر اُس کام کو انجام دیتے رہے، جو معاہدہ میں طے ہوا تھا؛ چنانچہ مدینہ پہنچنے کے بعد جب ابوبصیر قید وبند کی صعوبتوں سے چھٹکارا حاصل کر کے مدینے پہنچے اور مشرکینِ مکہ نے اِن کی واپسی کا مطالبہ کیا تو آپ نے اِنھیں اُن کے بھیجے ہوئے آدمیوں کے حوالہ کر دیا اور اُس عہد کی پاسداری کا مکمل ثبوت دیا، جو آپ نے اُن سے حدیبیہ کے مقام پر کیا تھا۔

آج ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ کیا ہم بھی اپنے کیے ہوئے عہد کا ایفا کرتے ہیں؟ کیا ہم وعدہ کر کے اپنی ادنیٰ منفعت کی وجہ سے اُس کی خلاف ورزی نہیں کر بیٹھتے؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ ہم نے معاہدہ کو نقصان سے بچنے کا ایک ظاہری سبب بنا رکھا ہے اور پسِ پشت مُعاہِدْ (معاہدہ کرنے والا) کو ضرر پہنچانے کی تدبیریں نہیں کرتے رہتے؟ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے تو غیر سے کیے ہوئے عہد کو نباہ کر کے دکھا دیا اور ہم اُسی کے امتی ہونے کے باوجود اپنوں سے کیے ہوئے پیمان کا پاس نہیں رکھتے۔ کاش! آپ کے اِس عمل سے ہم نصیحت حاصل کرتے!

مقصد پر نظر

آپ جب مقامِ عسفان پہنچے تو آپ کو یہ اطلاع دی گئی کہ خالد بن الولید (جو ابھی تک اسلام کی سعادت سے محروم تھے) ہراول دستے کے طور پر دوسو شہ سواروں کے ہمراہ ''غمیم'' تک پہنچ چکے ہیں۔ اِس خبر کے سنتے ہی آپ نے اپنا راستہ بدل لیا کہ مقصود لڑائی نہیں؛ بل کہ سعادتِ عمرہ سے سرفراز ہونا تھا۔ اگر آپ چاہتے تو اُن کا مقابلہ کر کے بہ زورِ شمشیر اُن سے راستہ خالی کروا لیتے؛ لیکن چوں کہ آپ کا مقصد قطعاً لڑائی نہیں تھا؛ بلکہ آپ کا مقصد بیت اللہ شریف کی زیارت سے مشرف ہونا تھا؛ اس لیے آپ نے مقصد پر نظر رکھتے ہوئے بذاتِ خود اپنا راستہ بدل لیا۔

آج ہمیں اِس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ کیا ہم بھی اپنے مقصد پر نظر رکھ رہے ہیں؟ کیا ہم بھی اپنے مقصد کے حصول کے لیے جھگڑا و فساد سے گریز کرتے ہیں؟ ہم تو ایسے ہیں کہ بلاوجہ اپنے بھائی کو مقدمات کے گھن چکر میں ڈال کر اُس کی زندگی کے مقصد بھی اُسے محروم کر دیتے ہیں۔ ہم حقیقی مقصد کو چھوڑ کر انا کی جیت کو مقصد کا درجہ دیتے ہیں۔ کاش! معاہدۂ حدیبیہ کے اس واقعہ سے ہم ''مقصد پر نظر'' رکھنے کا سبق حاصل کر سکیں۔

مصلحت اندیشی

آپ نے کفارِ قریش کے پاس سب سے پہلے یہ پیغام بھیجوایا کہ ''ہم صرف عمرہ کی غرض سے آئے ہیں، لڑائی ہمارے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں۔ جنگ نے قریش کی حالت زار زار کر دی ہے؛ اس لیے بہتر ہے کہ ہم ایک مدت تک کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ کر لیں اور مجھے عربوں کے ہاتھوں چھوڑ دیں''۔ یہ اِس مصلحت کے پیش نظر تھا کہ اگر ایک مدت تک جنگ بندی ہو گئی تو اِس طرف سے دھیان ہٹا کر دعوتِ اسلام کی طرف پوری توجہ مرکوز کیجا سکتی ہے اور ہوا بھی یہی کہ معاہدہ کے بعد ہی آپ انے دیگر بادشاہوں کے نام دعوتی خطوط لکھے۔

آج ہم اپنا محاسبہ کریں کہ کیا ہمارے اندر یہ مصلحت اندیشی پائی جا رہی ہے؟ آج ہم صرف جوش کے ٹٹو پر سوار ہو کر نہ جانے کتنے بنتے کام بگاڑ دیتے ہیں! اور جہاں عزم و جزم کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں دُبک کر بیٹھ جاتے ہیں۔ خود ہمارے ملک میں ہماری مصلحت نااندیشیوں کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ قضیۂ بابری مسجد کے سلسلہ میں ایک بات یہ آئی تھی کہ اُسے آثارِ قدیمہ کے حوالے کر دیا جائے؛ لیکن مشورہ دینے والے پر ہی یہ الزام دھر دیا گیا کہ یہ حکومت کا پٹھو ہے۔ حالاں کہ آثارِ قدیمہ کے حوالے کر دینے کی بات مصلحت سے خالی نہیں تھی۔ جب مسجد کی چولیں ہل گئیں تب یہ بات سمجھ میں آئی۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ ہم اپنی کم ہمتی اور بزدلی کو ضرور ''مصلحت اندیشی'' کا نام دیتے ہیں۔ ہمیں آپ اکی اِس مصلحت اندیشی سے کچھ سیکھنا چاہیے۔

صلح میں پہل

کفارِ قریش کی طرف سے کسی پیش قدمی سے پہلے ہی آپ نے صلح و معاہدہ کا پیغام اُنھیں بھجوایا۔ یہ آپ اکی طرف

سے دستِ صلح دراز کرنے میں پہل کرنے کی ایک اعلیٰ مثال ہے ـــــ آج ہمیں یہ غور کرنا چاہیے کہ کیا ہم بھی کسی سے صلح کرنے میں پہل کرتے ہیں؟ آج ایسے بہت سارے نمونے ہمارے سامنے موجود ہیں کہ ایک سگے بھائی کی چپقلش اپنے سگے بھائی سے برسوں سے چلی آ رہی ہے۔ راہ چلتے ایک دوسرے سے منہ چراتے ہیں۔ نہ خوشی کی بزم میں شریک ہوتے ہیں اور نا ہی غم کی مجلس میں حاضر؛ بل کہ ایک دوجے کی دشمنی میں جلتے بھنتے رہتے ہیں۔ بہت سارے مواقع پر ایک دوسرے سے بغل گیر بھی ہونا چاہتے ہیں؛ لیکن مونچھ کی اکڑن اور ناک کی اونچائی ایسا کرنے سے مانع بنتی ہے۔ کاش! آپ اکے اِس اُسوہ پر ہم عمل پیرا ہو سکتے!

اہانتِ رسول پر ردعمل

جب عروہ آپ سے ہم کلام ہوئے اور عربوں کی عادت کے مطابق اثنائے کلام آپ کی داڑھی مبارک پر بھی ہاتھ پھیرنے لگے تو عروہ کی اِس حرکت کو حضرت مغیرہ بن شعبہ نے جسارت اور اہانت تصور کیا اور اُن کے ہاتھ پر ٹھوکا دیا اور کہا: ''حضور ﷺ کی داڑھی مبارک سے اپنے ہاتھ دور رکھو''۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے اِس فعل سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ آپ کی شان میں ادنیٰ گستاخی بھی ہمارے لیے قابلِ قبول نہیں۔ آج دشمنانِ اسلام آپ کی شان میں طرح طرح کی گستاخیاں کر رہے ہیں؛ لیکن ہم اُن گستاخیوں کا جواب بجز احتجاج کے اور کسی طرح نہیں دے رہے ہیں، ہمیں احتجاج سے آگے بڑھ کر ایسے قوانین وضع کرنے کا مطالبہ بھی کرنا چاہیے، جس میں اِس طرح کی حرکت کرنے والوں کے لیے سخت ترین سزاؤں کی تعیین ہو اور اگر طاقت ہو تو اُس مرتکبِ جرم کو اُسی طرح ٹھوکا دینے سے گریز نہ کریں، جس طرح حضرت مغیرہ بن شعبہ نے دیا تھا۔

بُرے کی بُرائی سے آگاہی

جب مکرز بن حفص آپ کے قریب پہنچا تو آپ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''مکرز بن حفص آ رہا ہے، یہ بُرا آدمی ہے'' ـــــ آپ کے اِس عمل سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ ہم برے شخص کی برائی دوسروں کے سامنے واضح کر دیں؛ تاکہ وہ اُس کی برائی سے محفوظ رہ سکے۔ آج ہمارے درمیان بہت سارے ایسے لوگ ہیں، جو بروں کی برائی سے اپنے بھائی کو اس لیے آگاہ نہیں کرتے کہ یہ اُس کا معاملہ ہے، وہ سمجھے، مجھے اس سے کیا سروکار؟ خصوصاً رشتوں کے معاملے میں اِس طرح کے واقعات بکثرت پیش آتے ہیں۔ آپ کے اس عمل سے ہمیں نصیحت حاصل کرنی چاہیے اور برے کی برائی سے دوسروں کو بھی محفوظ رکھنا چاہیے۔

مستقبل پر نظر

معاہدہ کی تمام شقیں بہ ظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں؛ لیکن آپ نے تمام کو منظور فرمایا۔ دراصل آپ کے پیش نظر مستقبل تھا کہ ایک بار معاہدہ ہو جانے کے بعد سکون و اطمینان کے ساتھ دعوتِ دین کے فریضہ کی ادائے گی کی طرف

توجہ دی جا سکے گی، جس کے نتیجہ میں دیگر قبائلِ عرب کے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کا قوی امکان تھا۔ ہوا بھی ایسا ہی۔ مدتِ معاہدہ میں اچھے خاصے لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

آج ہماری نگاہ کسی بھی کام میں مستقبل کے بجائے حال پر ہوتی ہے۔ ہم کام کم اور نتیجہ کی فکر زیادہ اور شتاب کرتے ہیں؛ حالاں کہ عجلت پسندی کے نتیجہ میں آراستگی کم اور اُجاڑ زیادہ ہوتا ہے۔ کسی بھی کام کی ابتدا ہمیں یہ سوچ کر نہیں کرنی چاہیے کہ اِس کا ثمرہ پیش از پیش حاصل ہو جائے؛ بلکہ مستقبل کو سامنے رکھنا چاہیے۔ اسی سوچ کے ساتھ کوئی فعل یا فیصلہ کرنا چاہیے کہ صلح حدیبیہ کا ایک پیغام یہ بھی ہے۔

بیوی کے درست مشورے پر عمل

جب معاہدہ کی تکمیل ہوگئی تو آپ نے صحابہ سے ہدی کے جانوروں کو ذبح کرنے اور اپنے سروں کے حلق کرانے کا حکم دیا۔ گھٹن کی کیفیت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کسی صحابی نے بھی جنبش نہ کی؛ حتیٰ کہ آپ نے تین مرتبہ یہی بات فرمائی۔ جب کسی نے حرکت نہیں کی تو آپ حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس آئے اور لوگوں کے اِس ردِعمل کا تذکرہ کیا۔ حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا: ''اے اللہ کے نبی! کیا آپ یہی چاہتے ہیں؟ (اگر آپ یہ چاہتے ہیں) تو نکلیے اور کسی سے ایک لفظ کہے بنا اپنے ہدی کے جانور ذبح کر دیجئے اور نائی کو بلوا کر حلق کروائیے''۔ آپ نے حضرت ام سلمہ کے درست مشورے پر عمل کیا۔ آج ہم اپنی بیویوں کے کسی بھی مشورے کو قبول کرنے کی نگاہ سے نہیں دیکھتے؛ حالاں کہ اُن کے بہت سارے مشورے راہِ صواب کی رہنمائی کرتے ہیں۔ آپ کے اِس عمل سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ اپنی بیویوں کے مشورے کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھیں، درست معلوم ہونے پر اُس پر عمل کرنے سے صرف یہ سوچ کر نہ کترائیں کہ لوگ کہیں ''جورو کا غلام'' نہ کہنے لگیں۔

مسلمان کی جان کی قیمت

جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت عثمان کو قتل کر دیا گیا ہے تو آپ نے ان کے خون کا بدلہ لینے پر صحابہ سے بیعت لی اور فرمایا: جب تک میں عثمان کے خون کا بدلہ نہ لے لوں، اُس وقت تک یہاں سے حرکت نہیں کروں گا۔ اِس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک مسلمان کی جان کی قیمت کیا ہے؟

آج ہم اپنے معاشرہ پر نظر دوڑائیں کتنے ایسے لوگ ہیں، جو ایک مسلمان کے خون کو اتنی اہمیت دیتے ہیں؟ جو گھریلو لڑائی کے بدلہ اپنے حقیقی بھائی کے قتل کے درپے نہیں ہو جاتے؟ جو ایک مسلمان کے خون ہو جانے کی خبر سن کر بے چین ہو جاتے ہیں؟ آج مختلف ممالک میں خونِ مسلم کو پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے، کیا ہمارا دل اِس پر مچل اُٹھتا ہے؟ کاش! بیعۃ الرضوان سے یہ سبق ہم سیکھ سکتے!!